انسانی معاشرہ کے باہمی تعلقات پر مبنی مذہبی ہم آہنگی کے نبوی اصول

Prophetic Principles of Religious Harmony in Human Society

منزہ حیات*

ABSTRACT:

All the teachings revealed in the preceding Holy books before Holy Prophet assumed prophethood were elaborated by the Prophet's lifestyle. Prophet's (SAW) Sunnah is a living interpretation for all the good deeds inscribed in the Holy books.Ethics is the core belief that was common among all the religions. Therefore, it is not surprising that all the prophets, including the first Prophet Hazrat Adam till the seal of prophets, Prophet Muhammad, preached truth ,justice, and equality.In the present day, arrogance, income inequality, social categorizations, violence and intolerance are the main reasons for the downfall of a society.Prophet Muhammad advised against haughtiness and arrogance from his time. He preached equality and also forbade arrogance while also stating that divisions among the humans should be minimizes in order to maintain peace. In the present day, religious violence and intolerance is the reason for corruption and dissension. During his lifetime when the Muslim community was formed, Prophet demonstrated that for a peaceful society, it was extremely essential to be receptive, tolerant and generous towards Non-Muslims while also giving the non-Muslims the freedom to practice their own religions freely.The following article analyses the basic factors that play an important role in the formation of a peaceful and harmonious society in the light of Seert un Nabi.

Key Words: Islam, Human Society, Social Relations, Harmony.

اسلام جس طرح زندگی کے ہر معاملے میں مثبت اور منفی دونوں پہلو واضح کرتا ہے اسی طرح انسانوں کے مختلف گروہوں کے مابین تعلقات کے سلسلہ میں بھی اس نے دونوں طرح کے اصول و تصورات واضح کیے ہیں۔ اسلام نے مجموعی طور پر قوموں، معاشروں اور مذہبی گروہوں کے مابین ناطوں کی بنیاد صرف چند مشترک مادی مفادات پر نہیں رکھی اور نہ ہی عارضی حالات و واقعات اور کسی خاص گروہ کی سیاسی و معاشی برتری پر رکھی ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ نے ان قرآنی اصولوں پر معاشرے کی تشکیل کی کہ وہ ہر انسان کی بہتری چاہتا ہے۔ کوئی فرد چاہے کسی نسل، قوم یا مذہب کا ہو اسلام اسے وحدت کی لڑی میں پروتے ہوئے اس کے حقوق و فرائض بحثیت انسان متعین کرتا ہے انسانی معاشروں کے باہمی تعلقات میں وحدت و تکریم انسانیت، انسانیت گیر اخلاقی و معاشرتی

*Assistant Professor, Department of Islamic Studies, BZU, Multan
Email: munazza.farhan@hotmail.com

تعاون، فضائل اخلاق کی عمومیت اور وسعت، بلاامتیاز عدل وانصاف کی بالادستی، اور اختلاف رائے کا احترام جیسے اسلامی اصول نمایاں حیثیت رکھتے ہیں جن کو اسلام نے متعارف کرایا۔

عصر حاضر میں دنیا کے مختلف مقامات پر بدامنی اور فساد کی ایک وجہ مذہبی تشدد بھی رہا ہے ایک نئی ملت کی تشکیل کے موقع پر اسلام نے عملاً یہ دکھایا کہ مذہب کے دائرہ میں داخل ہونے کے بعد اس دائرہ کی حدود کی پابندی جتنی ضروری ہے۔ اتنا ہی اس دائرہ سے باہر کے لوگوں کے ساتھ رواداری اور پرامن معاشرت بھی ضروری ہے اور پرامن معاشرت کے لئے دیگر مذہبی گروہوں کے لئے مذہبی آزادی کا ہونا لازم ہے۔ زیر نظر مقالہ میں انسانی کے باہمی تعلقات پر مبنی مذہبی ہم آہنگی کے اسلامی اساسی اصولوں کی نشاندہی اور ان کی عصری معنویت کو موضوع تحقیق بنایا گیا ہے۔

1: وحدت وتکریم انسانیت

معاشرہ میں باہمی تفریق اور عناد کا ایک بنیادی سبب انسانوں کو مختلف گروہوں، نسلوں اور ذاتوں میں تقسیم کرکے کسی کو مقدس قرار دینا اور دوسرے کو کمتر اور حقیر گردانا ہے جبکہ اسلام کا کائنات کے متعلق یہ تصور ہے کہ پوری کائنات اللہ تعالی کی پیدا کردہ ہے۔ پوری کائنات جس طرح خدا کی مخلوق ہے اسی طرح انسان بھی اللہ تعالی کی ہی مخلوق ہے جس طرح وہ ایک خدا کی مخلوق ہیں اسی طرح وہ ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوا:

يَآيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً [1]

ترجمہ: اے لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے جوڑے پیدا کیے اور ان میں سے بہت سے مرد اور عورتیں (دنیا میں) پھیلا دیئے۔

جس طرح ایک ماں باپ کے بچےّ رنگ وصلاحیت کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں اسی طرح سے دنیا کے بھی تمام انسان رنگ، نسل، قوت وصلاحیت کے لحاظ سے مختلف ہیں لہٰذا جیسے ایک والدین کے بچےّ صورت وسیرت کے اختلاف کے باوجود حقوق میں برابر ہوتے ہیں اور اپنے ظاہری اختلافات کو بھلا کر ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے ہیں اسی طرح دنیا کے تمام انسانوں کو بھی انفرادی اور اجتماعی سطح پر ایسا ہی بننے کی کوشش کرنا چاہیے۔ تمام انسانوں کے ایک ہونے کی مزید تفصیل ہمیں اس حدیث سے ملتی ہے:

ان اباکم واحد و ان دینکم واحد وابوکم آدم و آدم خلق من تراب [2] "تم سب کا باپ ایک اور تمہارا دین بھی ایک ہے تم سب کے باپ آدم ہیں اور آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی"۔

قرآن مجید میں انسانوں میں تنوع اور ان کی لسانی وتہذیبی تشکیل کی حقیقت اس طرح واضح کی ہے:

يَآيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ [3]

ترجمہ: اے لوگو بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے گروہ اور قبیلے اس لیے بنائے تا

کہ تم آپس میں شناخت کر سکو۔بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیز گار ہے۔

اس حقیقت کی مزید وضاحت کرتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اخوت کی وجہ صرف ایک والدین کا ہونا نہیں ہے بلکہ یہ سب ایک خدا کے بندے بھی تو ہیں اور رشتہ عبدیت میں وہ جڑے ہوئے ہیں۔حضور ﷺ نے فرمایا: الناس سواسیۃ کاسنان المشط الواحد لافضل عربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاسود علی احمر ولا لاحمر علی اسود الّا بالتقویٰ[4] "تمام لوگ ایک کنگھی کے دندانوں کی طرح ہیں نہ کسی عربی کو عجمی پر اور نہ کسی عجمی کو عربی پر اور نہ کسی کالے کو سرخ پر اور نہ کسی سرخ کو کالے پر کوئی فضیلت حاصل ہے سوائے تقویٰ کے" اسلام نے نہ صرف وحدت انسانیت کے اصول کی نشاندہی کی ہے بلکہ اس کو مستحکم بنانے کی ہدایات بھی دیں اور ایسے امور کو ممنوع قرار دیا ہے جو انسانوں کے مابین نفرت کا سبب بنیں۔آپ ﷺ نے ساری مخلوق کو اللہ تعالیٰ کا کنبہ قرار دیا اس لیے جو بھی اس کے ساتھ حسن خلق سے پیش آئے گا اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ مکرم ہو گا۔آپ ﷺ نے فرمایا: من لا یرحم الناس لم یرحم اللہ[5] "اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا"۔

ایک دفعہ ایک یہودی کا جنازہ گزرا تو حضور کھڑے ہو گئے۔وہاں پر موجود صحابہ نے کہا کہ وہ تو یہودی تھا آپ کیوں کھڑے ہو گئے آپ نے جواب دیا کہ وہ ایک انسان بھی تو تھا۔[6] اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ دوسروں کو بلا تفریق مذہب بحثیت انسان کتنی عزت دیتے تھے۔ایک حبشی مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا جب اس کا انتقال ہو گیا تو لوگوں نے آپ کو خبر نہ کی۔ایک دن آپ نے لوگوں سے اس کی بابت پوچھا تو پتہ چلا کہ وہ وفات پا گیا ہے۔آپ نے کہا کہ تم لوگوں نے مجھے کیوں نہیں بتایا، لوگوں نے اس کی تحقیر کی (یعنی کیا وہ اس قابل نہ تھا کہ حضور کو اس کے مرنے کی خبر دی جاتی)، آپ نے لوگوں سے اس کی قبر دریافت کی اور جا کر نماز جنازہ پڑھی۔[7]

اسلام باہمی تعاون پر مبنی انسانی معاشرہ کے قیام کا داعی ہے اس لیے وہ اپنے ماننے والوں کو مشکل وقت میں غیر مسلموں سے حسن تعاون کی تعلیم دیتا ہے۔فتح مکہ سے پہلے 5ھ میں حجاز میں سخت قحط پڑا حضور ﷺ نے ابو سفیان کے پاس پانچ سو اشرفیاں بھیجیں کہ مکہ کے ضرورت مندوں میں تقسیم کر دی جائیں اس پر ابو سفیان نے کہا کہ محمد اب مکہ کے غربا اور نوجوانوں کو اس طرح ہمارے خلاف کرنا چاہتا ہے۔[8] اسی طرح جب یمامہ کے رئیس، بنو حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال نے 6ھ میں اسلام قبول کر لیا تو اس نے اعلان کیا کہ اب قریش مکہ کو خوراک کی اس کے علاقہ کے ذریعے سپلائی نہیں کی جائے گی اس پابندی کے نتیجے میں مکہ میں قحط کی صورتحال پیدا ہو گئی اہل مکہ نے اس پابندی کو ہٹوانے کے لیے آپ ﷺ سے درخواست کی تو آپ ﷺ نے نہ صرف اہل یمامہ سے خوراک کی سپلائی بحال کروادی بلکہ اہل مکہ کے لیے کھجوریں بھی بطور تحفہ بھجوائیں۔یہ مالی مدد کا ہی ایک نمونہ ہے۔[9]

آپ ﷺ نے صرف مثبت طور پر مساوات اور بھائی چارے کی تعلیم نہیں دی بلکہ منفی عصبیتوں اور تنگ نظریوں کو ختم کر دیا تاکہ انسانی مساوات میں کوئی دراڑ پیدا نہ ہو۔آپ ﷺ نے فرمایا: ما منّا من دعا الی عصبیۃ و لیس منا من قاتل عصبیۃ و لیس منا من مات علی عصبیۃ[10] "جو عصبیت کی طرف بلائے وہ ہم میں سے نہیں ہے اور نہ وہ جو عصبیت کے لیے لڑے اور نہ ہی وہ ہم میں سے ہے

جو عصبیت میں مر جائے"اسی طرح اسلام معیشت، معاشرت، سیاست، عقائد، اخلاق، عبادات، امیر غریب، اپنے پرائے کے بارے میں مساوی ہدایات دیتا ہے ان میں سے کسی میں بھی خاص قوم، ملک یا کسی خاص طبقہ کی عصبیت نظر نہیں آتی۔

2: انسانیت گیر معاشرتی تعاون

معاشرے میں رواداری اور بھائی چارہ کی بنیاد کی مضبوطی کے لئے انسانی سطح پر اخلاقی اور معاشرتی تعاون از حد ضروری ہے۔ قرآن وسنت اس امر کے گواہ ہیں کہ اسلام صرف مسلم ہی نہیں بلکہ غیر مسلموں کے حقوق کا بھی تحفظ کرتا ہے اور والدین، قرابتداروں، پڑوسیوں سے حسن سلوک کے معاملہ میں مسلم غیر مسلم درجہ کا ذکر نہیں کرتا بلکہ مجموعی طور پر بھلائی کا حکم دیتا ہے۔ جیسا کہ ذیل میں قرآنی آیت سے درجہ بدرجہ افراد سے حسن سلوک کی وضاحت ہو رہی ہے: وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (النساء 36:4) "اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو اور والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور اہل قرابت کے ساتھ بھی اور یتیموں کے ساتھ بھی اور غریبوں کے ساتھ بھی اور پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور دور والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور ہم مجلس کے ساتھ بھی اور مسافر کے ساتھ بھی اور ان کے ساتھ بھی جو تمہارے مالکانہ قبضہ میں ہیں"۔

i: والدین کے ساتھ حسن سلوک

قرآن مجید میں جہاں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی خاص تاکید کی گئی ہے تو اس میں غیر مسلم والدین بھی شامل ہیں کیونکہ قران پاک میں والدین کے ساتھ مسلم کی تخصیص نہیں کی گئی ہے دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد خاص طور پر غیر مسلم والدین کے اس طرز عمل کا ذکر کیا گیا کہ ان کی طرف سے اگر مذہبی عقائد پر دباؤ ہو تو عقیدہ ہر چیز پر مقدم ہے کہ والدین اگر توحید کے مقابلے میں شرک وکفر کی دعوت دیں تو ان کی یہ بات نہیں مانی جائے گی لیکن ان کی زیادتیوں کے باوجود ان کے سماجی حقوق بہر صورت ادا کیے جائیں گے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ۔ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓي اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا[11] "اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے متعلق تاکید کی ہے اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اُٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور دو سال میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے کہ تو میری اور اپنے والدین کی شکر گزاری کیا کر، میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرا جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو تم ان کا کچھ کہنا ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی سے بسر کرنا"۔

اس آیات میں واضح طور پر بتادیا گیا ہے کہ والدین کے ساتھ چاہے وہ مشرک ہی کیوں نہ ہوں اچھا سلوک کیا جائے ان کے کفر کی وجہ سے کسی قسم کی ان سے بدسلوکی نہیں کی جائے گی۔ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓي اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ[12] "اگر وہ تجھ

پر دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شریک کرے جس کا تجھے علم نہیں ہے" کے الفاظ سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ یہ حکم غیر مسلم والدین کے لیے ہے کہ وہی شرک پر زور دے سکتے ہیں، پھر اگلے جملہ وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا[13] "دنیا میں ان کے ساتھ معروف برتاؤ رکھو"،اس حکم کو مزید مستحکم کرتی ہے۔

احادیث میں اس بات کا ثبوت حضرت اسماء بنت ابو بکر کے واقعہ سے ملتا ہے کہ ایک دفعہ ان کی مشرک والدہ قتیلہ ان سے ملنے کے لیے آئیں تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ وہ مجھ سے کچھ توقع لے کر آئی ہیں تو کیا میں ان کے ساتھ ہمدردی اور تعاون کر سکتی ہوں؟آپ ﷺ نے جواب دیا اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔فقلت یارسول اللّٰہ ان امی قدمت علی وھی راغبۃ أفاصلھا قال نعم صلیھا[14] اس حدیث سے مشرک رشتہ دار کے ساتھ صلہ رحمی کا ثبوت ملتا ہے۔اس سے یہ استنباط بھی کیا جاتا ہے کہ کافر والدین کا نفقہ اس صورت میں بھی واجب ہے جب اولاد مسلمان ہو۔قرآن میں جہاں بھی والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید آئی ہے تو وہاں مسلم غیر مسلم کا فرق نہیں رکھا گیا بلکہ وَّبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا[15] کا عمومی انداز اختیار کیا گیا ہے۔

اسی طرح فقہاء نے ایک اہم چیز بیان کی ہے اور صحابہ کے طرز عمل کی بنیاد پر اس کا فیصلہ کیا گیا کہ اگر میدان جنگ میں باپ بیٹا آمنے سامنے آجائیں، ایک کفار کی فوج کی طرف سے لڑ رہا ہو اور دوسرا مسلم فوج کی طرف سے تو مسلمان کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنے والدین کو قتل نہ کرے۔اس لیے حضور ﷺ نے غزوہ احد کے موقع پر جب حضرت حنظلہؓ نے اپنے باپ ابو عامر کو جو کفار کی طرف سے لڑ رہا تھا اس سے لڑنے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے منع کر دیا کیونکہ آپ ﷺ کو یہ گوارا نہ تھا کہ بیٹا باپ پر تلوار اٹھائے[16] اس ہدایت سے بیٹے کو یہ تلقین کرنا مقصود تھی کہ اگرچہ کافر ماں باپ کفار کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف لڑنے آئیں لیکن ان کا احترام اپنی جگہ قائم رہنا چاہیے لہٰذا ان کی جان اگر بچا سکتے ہو تو بچا لو جہاں تک ان کا جنگ میں مخالف ہونے کا تعلق ہے تو اگر تم انہیں قتل نہیں کرو گے تو کوئی اور ان کو قتل کر دے گا۔

ii:پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک

انسان کا سب سے قریبی عملاً تعلق رشتہ داروں سے بھی زیادہ اس کے پڑوس سے ہوتا ہے اسلام نے انسان کو بہترین پڑوسی بننے کی تاکید کی ہے اور پڑوسی کا ہر طرح سے خیال رکھنے کو کہا ہے۔اور {النساء 36:4 } میں پڑوسی کے ساتھ جو حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے اس میں دونوں (مسلم و غیر مسلم) طرح کے ہمسائے شامل ہیں۔حضور ﷺ کی ایک حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے ایمان کی نشانی یہ بتائی ہے کہ وہ پڑوسی کو تکلیف نہ دے۔من کان یومن باللّٰہ والیوم الآخر فلا یؤذ جارہ[17] "جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے"۔حضرت ابوذر غفاری سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب سالن پکاؤ تو شوربہ میں پانی ذرا زیادہ ڈال دیا کرو اور اپنے ہمسایوں میں سے جس کے گھر ضرورت ہو اس میں سے کچھ اسے بھیج دو۔ لا یحقرن احدکم شیئا من المعروف فان لم یجد فلیلق اخاہ بوجہ طلق و اذا اشتریت لحماً او طبخت قدراً فاکثر مرقتہ واغرف

لجارك منه[18] " کوئی شخص معروف (خوش اطواری) کی تحقیر نہ کرے اگر یہ نہ کر سکتا ہو تو کم از کم یہی کرے کہ جب اپنے بھائی سے ملے تو خوش روئی سے پیش آئے اور جب تم گوشت خرید و یا کوئی ہانڈی پکاؤ تو شوربا کچھ زیادہ کر دو اور تھوڑا سا اپنے پڑوسی کیلئے نکال لو"۔

ہمسایوں کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی یہ تعلیم عام ہے اس کے حقدار مسلم ہمسایہ کی طرح غیر مسلم ہمسایہ بھی ہیں ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر کے ہاں بکری ذبح ہوئی تو انہوں نے اہل خانہ سے پوچھا کہ ان کے فلاں یہودی ہمسایہ کو اس میں سے کچھ بھیجا ہے ؟ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیل مجھے ہمسایہ کے معاملہ میں اس قدر تاکید کرتے تھے کہ مجھے خیال ہوتا کہ وہ اسے کہیں وارث ہی نہ بنادیں۔ حدیث کا متن درج ذیل ہے: ما زال جبريل يوصى بالجار حتیٰ ظننت انه سيورثه [19] سورۃ النساء میں ہمسایہ کی ایک قسم {الجار الجنب} بتائی گئی ہے بعض علماء نے اس سے مراد یہودی اور عیسائی لیے ہیں۔ اس سے یہ بات مزید نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ اسلام کی خلاقی تعلیمات سب کے لیے عام ہیں ان کا تعلق صرف مسلمانوں سے نہیں ہے ان پر عمل جس طرح اسلام کے پیروکاروں کے ساتھ ہو گا اسی طرح دیگر مذاہب والوں کے ساتھ بھی ہو گا۔

iii : قیدیوں سے حسن سلوک

دشمن کے قیدیوں سے نرمی، مہربانی، انسانی ہمدردی، عزت، نیکی اور احسان کے سلوک میں مسلمان فکری اور عملی دونوں لحاظ سے نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: استوصوا بالأسارىٰ خيراً [20] "قیدیوں کے بارے میں میری نصیحت یہ ہے کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو"۔ نبی کریم ﷺ نے دور جاہلیت کے تمام جنگی طریقوں کو مسترد کر دیا اور احترام آدمیت کا درس دیا۔ دوران جنگ عورتوں، بچوں، بوڑھوں کے قتل، عبادت گاہوں اور فصلوں کی تباہی اور دشمن کے ہاتھ پاؤں کاٹنے پر (مثلہ) پابندی لگادی۔ لا تقتلوا شيخاً فانياً ولا طفلاً ولا صغيراً ولا أمراةً [21] "کسی کہن سال کو، بچے کو، کمسن کو، عورت کو قتل نہ کرو" ایک روایت ہے جس میں آپ ﷺ نے مثلہ اور لوٹ مار کرنے سے منع فرمایا ہے: نهیٰ رسول اللہ ﷺ عن المثلة و النهبى [22] اسی طرح مسلم کی ایک روایت میں ہے: اغزوا ولا تغلوا ولا تغدروا ولا تمثلوا [23]۔ "جہاد کرو (مگر مال غنیمت سے چوری نہ کرو) خیانت نہ کرو، معاہدہ کی خلاف ورزی نہ کرو اور مثلہ نہ کرو"۔

آپ ﷺ نے صحابہ کو سختی سے اس بات کی ہدایت کی کہ جنگی قیدیوں کے ساتھ نرمی اور شفقت سے پیش آئیں اور ایسے لوگوں کو خدا کا نیک بندہ قرار دیا بلکہ خدا کے نیک بندوں کی خصوصیات کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا: وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا [24] "اور جو لوگ (محض) خدا کی محبت سے مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہم تمہیں صرف خدا کی رضامندی کیلئے کھلاتے ہیں نہ تم سے عوض کے خواستگار ہیں اور نہ شکر گزاری کے (طلب گار) ہم کو اپنے رب سے اس دن کا ڈر لگتا ہے جو (چہروں

کو) کریہہ المنظراور دلوں کو سخت (مضطر کر دینے والا) ہے"۔ یہاں پر بتایا گیاہے کہ خدا کے نیک بندے کمزور افراد کو بے سہارا نہیں چھوڑتے بلکہ ان کی ہر طرح سے مدد کرتے ہیں۔ یہاں یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ قیدیوں کا بھی ذکر ہے کیونکہ ان کو تو لوگ مظلوم سمجھتے ہیں لیکن قیدیوں کو مجرم سمجھ کر ان کے ساتھ ہمدردی کا وہ جذبہ نہیں پایا جاتا جو یتیم اور مسکین کیلئے ہوتا ہے۔لٰہذا اسلام اپنے پیروکاروں سے اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ قیدیوں کے مجرم اور گناہ گار ہونے سے زیادہ ان کو انسان سمجھتے ہوئے ان سے ہمدردی اور مدد کریں۔ قیدی مسلم اور غیر مسلم دونوں میں سے ہو سکتا ہے۔ بلکہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت تک تو مسلم قیدی کا تصّور ہی نہیں تھا گویا آیت کے نزول کے وقت اس سے مراد وہی غیر مسلم قیدی تھے۔اسی بناء پر فقہاء کہتے ہیں کہ قیدی کو بھوک اور پیاس وغیرہ کی سزا دینا جائز نہیں اس لیے کہ اس سزا کا کوئی فائدہ نہیں۔

جنگ بدر (2ھ) میں مشرکین کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر قیدی بنا لیے گئے حضورﷺ نے قیدی صحابہ کرام کے درمیان تقسیم کر دیئے اور نصیحت فرمائی کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے حضرت مصعب بن عمیرؓ کے بھائی ابو عزیز بن عمیر بھی قیدیوں میں شامل تھے وہ بتاتے ہیں کہ وہ اس جنگ میں نضر بن حارث کے بعد مشرکین کے علمبردار تھے انہیں بعض انصار کے حوالے کیا گیا حضورﷺ کی نصیحت کے عین مطابق وہ مجھے روٹی کھلاتے اور خود کھجور کھا کر رہ جاتے ان میں سے کسی کو روٹی کا ایک ٹکڑا بھی ملتا تو وہ مجھے دے دیتا اس سے مجھے شرم محسوس ہوتی تھی میں روٹی ان کے ہاتھ میں پھر دے دیتا لیکن وہ ہاتھ بھی نہ لگاتے اور مجھے واپس کر دیتے یہ اس بنا پر تھا کہ حضورﷺ نے انہیں یہ تاکید کی تھی کہ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔[25] جنگ بدر (2ھ) کے قیدیوں میں ایک قیدی سہیل بن عمرو تھا حضرت عمرؓ نے حضورﷺ سے پوچھا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں سہیل بن عمرو کے اگلے دانت توڑ دوں تاکہ وہ پھر کبھی آپ کے خلاف تقاریر نہ کر سکے تو آپ نے جواب فرمایا کہ: "اگر میں اس طرح کی سزا دوں تو اللہ تعالیٰ مجھے بھی سزا دے سکتا ہے گو کہ میں نبی ہوں"[26]۔ غزوہ خیبر (7ھ) میں امن کے بعد لوگوں نے یہودیوں کے جانور اور پھل لوٹ لیے۔ اس پر حضورﷺ کو نہایت غصہ آیا، آپ نے تمام صحابہ کو جمع کیا اور فرمایا: ان اللّٰہ تعالیٰ لم یحل لکم ان تدخلوا بیوت اھل الکتٰب الا باذن و لا ضرب نساء ھم ولا اکل ثمارھم اذا اعطوا کم الذی علیھم[27]۔ "خدا نے تم لوگوں کے لیے یہ جائز نہیں کیا کہ اہل کتاب کے گھروں میں گھس جاؤ (مگر بہ اجازت) اور نہ یہ کہ ان کی عورتوں کو مارو، نہ یہ کہ ان کے پھل کھا جاؤ جبکہ وہ تم کو وہ ادا کریں جو ان پر فرض ہے"۔ کافی عرصہ تک مسلمانوں کی تاریخ میں یہی طریقہ چلتا رہا کہ حضورﷺ کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے انہوں نے قیدیوں کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک کیا۔ چنانچہ شروع شروع میں قیدی کو مسجد میں اس وقت تک باندھ دیا جاتا جب تک اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ ہو جاتا، یعنی یا تو وہ اسلام قبول کر لیتا، یا اسے بطور احسان بلا معاوضہ چھوڑ دیا جاتا، یا فدیہ لے کر رہا کر دیا جاتا، یا پھر جنگی قیدیوں کے تبادلہ کے طور پر رہا کر دیا جاتا۔ دوران قید اسے مناسب خوراک، پانی، لباس فراہم کیا جاتا اور اس کا اچھی طرح علاج کیا جاتا۔ قیدی کو فوجی راز اگلنے پر مجبور نہ کیا جاتا۔ اس طرح اسلامی تعلیمات سے یہ سبق ملتا ہے کہ غیر مسلم قیدی بھی حسن سلوک کے مستحق

ہیں انہیں کسی قسم کی اذیت نہیں دینی چاہیے کیونکہ وہ بھی انسان ہیں اسلام جہاں جانوروں تک کے حقوق گنواتا ہے تو انسان تو اول حسن سلوک کا مستحق ہونا چاہیے۔

3: فضائل اخلاق کی عمومیت

دنیا میں معاشرتی رواداری، انسانی اخوت، سماجی امن وامان اور عدل وانصاف کے قیام اور فتنہ وفساد و برائیوں کے خاتمہ کے لیے دو چیزیں اہمیت رکھتی ہیں: قانون اور اخلاق۔ گو ان دونوں کا مقصد ایک ہی ہے لیکن منزل تک پہنچنے کے راستے الگ الگ ہیں۔ قانون برائیوں کو تو روک دیتا ہے مگر دل میں اس برائی کی طرف سے ناگواری کا کوئی روحانی اثر پیدا نہیں کرتا اور اخلاق پر عمل کرنے کے لیے چونکہ ہر شخص کو بزور مجبور نہیں کیا جاسکتا اس لیے اس کے ذریعے عدل وانصاف کا قیام اور تمام برائیوں کا مکمل خاتمہ نہیں ہو سکتا۔ دین اسلام میں قانون واخلاق دونوں کی اپنی اپنی جگہ مضبوط اور نمایاں حیثیت ہے۔ اسلام نے ان برائیوں کے انسداد کو جن کا اثر براہ راست دوسروں تک پہنچتا ہے قانون کے تحت رکھا مثلاً قتل، چوری، ڈاکہ، بہتان وغیرہ۔ چنانچہ جرائم کے لیے قرآن وحدیث میں سزائیں مقرر ہیں جو اسلامی حکومت کی طرف سے دی جاسکتی ہیں اور جو باتیں ایک انسان کی ذاتی تکمیل نفس کے متعلق تھیں انہیں اخلاق کے دائرہ میں رکھا جیسے سچ بولنا، رحم کرنا، سخاوت، خوش خلقی وغیرہ۔ اسلام ایک اور حیثیت سے بھی قانون اور اخلاق کا مجموعہ ہے قانوناً اس نے مظلوم کو یہ حق دیا ہے کہ وہ چاہے تو اپنے اوپر ہونے والی زیادتی کا بدلہ لے لیکن اس سے بلند تر بات یہ رکھی کہ وہ دوسرے بندے کو معاف کردے اور برائی کی بجائے اس کے ساتھ نیکی کرے۔ اس مجموعی تعلیم نے حکومت کے قانون انتظام وعدل اور فرد کی اخلاقی روحانیت کی تکمیل دونوں کو اپنی جگہ قائم رکھا۔

اخلاق در حقیقت انسانوں کے باہمی تعلقات میں خوش نیتی اور اچھائی برتنے کا نام ہے یعنی ایک دوسرے پر جو انسانی فرائض عائد ہیں انہیں ادا کرنے کو کہتے ہیں۔ لہٰذا اخلاق کے وجود سے باہم انسانوں میں تعلقات اور وابستگی کا وجود ضروری ہے۔ اسلام میں اخلاق کی دو قسمیں ہیں وہ اخلاق جنہیں خدا پسند کرتا ہے، فضائل کہلاتے ہیں اور وہ کام جنہیں وہ ناپسند کرتا ہے رذائل ہیں۔ حضور ﷺ کی بعثت چونکہ کسی خاص قوم یا زمانہ تک محدود نہیں اس لیے آپ ﷺ کو جو اخلاقی تعلیمات کی کتاب دی گئی اسے صرف ایک قوم یا زمانہ کی اخلاقی اصلاح تک محدود نہیں رکھا گیا، بلکہ تمام قوموں اور زمانوں تک وسیع کیا گیا، اس لیے تمام قوموں میں جو برائیاں پائی جاتی تھیں ان سب سے منع کردیا گیا اور اسی طرح تمام اخلاقی محاسن کو بھی کھول کر بیان کیا گیا اور انہیں حاصل کرنے کی تاکید کی۔ پچھلے صحیفوں میں جن برائیوں سے روکا گیا تھا، یا جن نیکیوں کی تعلیم دی گئی تھی ان سب کی تفصیل آپ ﷺ نے بیان کردی۔ اس میں شک نہیں کہ دنیا کے سارے مذاہب کی بنیاد اخلاق ہی ہے چنانچہ حضرت آدم سے لیکر حضرت محمد ﷺ تک جس قدر پیغمبر آئے ان سب کی یہی تعلیم رہی کہ سچ بولنا اچھا اور جھوٹ بولنا برا ہے، انصاف بھلائی اور ظلم برائی ہے لیکن حضور ﷺ کی بعثت چونکہ تکمیلی حیثیت رکھتی ہے اس لیے آپ ﷺ کا ارشاد ہے: بعثت لاتمم مکارم الاخلاق[28] "میں حسن اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہوں" اس کے ساتھ ساتھ اسلام ہر

ایک کے ساتھ حسن خلق کو ترجیح دیتا ہے یعنی اگر کسی سے بات کی جائے تو نہایت اچھے طریقہ سے کی جائے وَقُوۡلُوۡا لِلنَّاسِ حُسۡنًا[29] ''لوگوں سے اچھی بات کہو'' اس اچھی بات کہنے میں لوگوں کو فائدہ اور کام کی بات کہنا، نصیحت کرنا اچھی باتوں کی تعلیم بھی داخل ہے۔

اسلام میں اخلاق ہی وہ معیار ہے جس سے باہم انسانوں میں درجہ اور رتبہ کا فرق نمایاں ہوتا ہے ایک حدیث مبارکہ ہے: خیارکم احسنکم اخلاقاً [30]''تم میں سب سے اچھا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں'' ایک مرتبہ نجاشی کا وفد حضور کے پاس آیا تو آپ نے خود ان کی آسائش کا اہتمام کیا۔ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم خدمت کے لئے حاضر ہیں۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے حبش میں میرے صحابہ کی عزت کی تھی اس لئے میں خود ہی ان کی ضروریات پوری کروں گا۔[31] ایک اور حدیث میں ہے: ما من شیء یوضع فی المیزان اثقل من حسن الخلق فان صاحب حسن الخلق لیبلغ بہ درجہ صاحب الصوم والصلوۃ[32] ''(قیامت کی) ترازو میں حسن خلق سے زیادہ بھاری کوئی چیز نہ ہو گی کہ حسن اخلاق والا اپنے حسن خلق سے ہمیشہ کے روزہ دار اور نمازی کا درجہ حاصل کر سکتا ہے''اس حدیث نے واضح کر دیا کہ اسلام کی میزان میں حسن اخلاق سے زیادہ کوئی چیز قیمتی نہیں۔یعنی حسن خلق خدا کی محبت کا ذریعہ ہے اور نبی ﷺ کی محبت کا بھی دراصل یہی ذریعہ ہے۔

4: بلاامتیاز عدل وانصاف کی بالادستی

معاشروں میں انفرادی یا گروہی سطح پر تنازعات کا جنم لینا ایک حقیقت ہے، ان تنازعات کے حل کیلئے سماج میں عدل و انصاف کی بنیادی قدر کی بالادستی کو یقینی بنائے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ کسی بوجھ کو دو برابر حصّوں میں اس طرح بانٹ دیا جائے کہ ان دو میں سے کسی میں ذرّہ برابر بھی کمی بیشی نہ ہو تو اسے عربی میں عدل کہتے ہیں[33] اور جس طرح عدل وانصاف کو دنیا کے ہر قانون میں خواہ سیاسی قانون ہو یا معاشرتی، اہمیت دی گئی ہے اسی طرح اسلامی نظام حیات میں بھی عدل وانصاف کو اہمیت دی گئی ہے اسلام میں عدل وانصاف ایک قانونی ضابطہ ہونے کے علاوہ ایک اخلاقی ذمہ داری بھی ہے اور وہ عدل کو صرف عدالتی شعبے تک ہی محدود نہیں رکھتا بلکہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی تک اپنا دائرہ وسیع کرتا ہے۔ اسلام میں تمام انسانی تعلقات عدل کی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں اور تمام انسانوں کو برابر تصّور کیا جاتا ہے قانون کے سامنے کسی کو کسی پر کوئی برتری حاصل نہیں ہوتی۔ عدل سب سے پہلے خود اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، قرآن پاک میں فرمایا گیا: وَاللّٰہُ یَقۡضِیۡ بِالۡحَقِّ[34]''اور اللہ تعالیٰ حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے'' یہ عدل کی طرف اشارہ ہے۔ پوری کائنات کا نظام صرف اللہ تعالیٰ کے عدل وانصاف کے بل بوتے پر قائم ہے یہی اس کی وحدانیت کی دلیل ہے۔ قران پاک میں عدل سے متعلق لوگوں کیلئے ارشاد ہوا: اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَہۡلِہَا ۙ وَ اِذَا حَکَمۡتُمۡ بَیۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡکُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ[35]''اللہ حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو امانت رکھنے والوں کے پاس درست طریقے سے پہنچاؤ اور جب تم معاملات کا فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو''۔

عدل کے ہم معنی لفظ 'قسط' ہے فرمایا: قُلۡ اَمَرَ رَبِّیۡ بِالۡقِسۡطِ[36]''کہہ دو میرے رب نے عدل و قسط کا حکم دیا ہے'' حضور ﷺ کو یہودیوں کے معاملات میں حکم ہوا وَاِنۡ حَکَمۡتَ فَاحۡکُمۡ بَیۡنَہُمۡ بِالۡقِسۡطِ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ[37]''اور اگر

فیصلہ کرو تو ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے"شہادت یا فیصلہ کے وقت اکثر دو حالتوں میں لوگوں کا ایمان متزلزل ہو جاتا ہے، ایک تو یہ کہ مقدمہ کا ایک فریق اپنا قرابتدار ہو یا اس سے گواہ یا حاکم کو دشمنی ہو لیکن اسلام کی اخلاقی تعلیم اس حالت میں بھی عدل و انصاف سے سر مو تجاوز نہیں کرنے دیتی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى[38]"اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں آمادہ نہ کرے کہ تم ان سے ناانصافی کرو عدل کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے"۔

عدل و نصاف کی راہ میں ایک مشکل مرحلہ یہ ہے کہ اپنے نفس کے مقابلہ میں بھی عدل و انصاف کا رشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹے، حضور ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں لوگوں کی اس مشکل منزل کی طرف رہنمائی کی گئی ارشاد باری تعالیٰ ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰامِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا[39]"اے ایمان والو انصاف کو لے کر پورے طور پر کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لیے گواہ بنو، اگرچہ اس میں تمہارا اپنا نقصان ہو یا والدین کا یا رشتہ داروں کا اگر وہ امیر ہے یا محتاج ہے تو اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے تو تم انصاف کرنے میں اپنے نفس کی خواہش کی پیروی نہ کرو اگر تم اس میں کچھ ملاؤ گے یا کچھ بچاؤ گے تو اللہ تمہارے کام سے واقف ہے"۔

درج بالا آیت سے واضح ہوتا ہے کہ قیام انصاف کی خاطر اپنے پرائے کی تمیز نہیں کی جائے گی خواہ گواہی اپنی ذات کے خلاف ہو یا والدین و قرابتداروں کے خلاف ہو، گو یا قرابتداری کا خیال بھی عدل و انصاف کے ساتھ مشروط ہے۔اللہ تعالیٰ نے ایک جامع آیت میں جن اچھی باتوں کا حکم دیا ہے ان میں سب سے پہلے عدل و انصاف ہی کرنے کا حکم ہے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ[40]"بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان اور رشتہ داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور ناپسندیدہ اور زیادتی سے منع کرتا ہے وہ نصیحت کرتا ہے شاید کہ تم دھیان دو"۔

اس آیت میں عدل و احسان کسی خاص فرد یا کسی خاص قوم اور ملک کے لیے نہیں ہے بلکہ اس کا دائرہ انسانوں کے ہر طبقہ و گروہ پر پھیلا ہوا ہے اس میں دوست دشمن، مسلم غیر مسلم سب برابر ہیں۔اسلامی ملک میں غیر مسلموں کے ساتھ منصفانہ قانون کی بنیاد پر افراد اور گروہوں میں فرق کیے بغیر معاملات نبھائے جاتے ہیں۔ان آیات کی رو سے اگرچہ ہر مسلمان کو عادل ہونا چاہیے، تاہم ریاست کے سربراہ کے لئے عادل ہونا زیادہ ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا کلام قرآن پاک کی صورت میں محفوظ ہے اور اس کی عملی تصویر حضور کی زندگی میں دیکھی جا سکتی ہے لہٰذا انسانی معاشرہ کے باہمی تعلقات کو درست نہج پر چلانے کے لئے اسوہ حسنہ کو مد نظر رکھنا ہوگا۔ اسی طرح اسلام ہر حال میں عدل و انصاف پر قائم رہنے کا حکم دیتا ہے اور فرد اور ریاست دونوں کو اس کا پابند بناتا ہے اس معاملے میں اس کی ہدایات اتنی واضح ہیں کہ اس کے بعد بھی

اگر کوئی فرد یا ریاست عدل کی راہ سے ہٹے تو یہ اسلام کی صریح خلاف ورزی ہوگی، اسلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

5: اختلاف رائے کا احترام

انسانی سماج میں رواداری اور جبر دو متضاد رویے ہیں جو کبھی یکجا نہیں ہو سکتے، چونکہ اسلام انسانی ذہنوں اور قلوب کو متوجہ کرتا ہے اس لئے وہ اس عمل میں جبر واکراہ کو درست قرار نہیں دیتا۔ اسلامی نقطہ نظر کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبور نہیں پیدا کیا بلکہ اختیار کی آزادی دی ہے۔ حالانکہ اگر خدا چاہتا تو ہر فرد کو اپنا تابع بنا کر رکھ سکتا تھا مگر اس نے ایسا نہیں کیا اور انبیاء بھیج کر حق و باطل واضح کیا: وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ[41] "اگر تیرا رب چاہتا تو زمین میں جتنے لوگ ہیں سب کے سب ایمان لے آتے (جب اس نے یہ نہیں چاہا) تو کیا تم لوگوں کو مجبور کرو گے کہ وہ مومن ہو جائیں"۔

جب ہم اسلام اور غیر اسلام کی تفریق کرتے ہیں تو یہ خالصتاً عقائد اور مذہب کی بنیاد پر ہوتی ہے اور غیر مسلموں سے اتحاد کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ ہم انہیں مکمل مذہبی تحفظ فراہم کریں تاکہ مذہبی ریاست میں وہ اپنے آپ کو غیر محفوظ نہ سمجھے اس بنا پر اسلام مذہب کے اختیار کرنے کے معاملہ کو شخصی معاملہ قرار دیتا ہے، وہ اس معاملے میں کسی جبر کا قائل نہیں، اخروی اعتبار سے کامیابی صرف اس کا مقدر ہوگی جو اللہ کے احکام پوری طرح بجالائے، لیکن دنیا میں اسلام نے اپنی دعوت پوری طرح کھول کر سب کے سامنے پیش کر دی اب ہر ایک کو اختیار کی آزادی ہے لہٰذا جو نظریہ دلیل کے ساتھ بات کرنا چاہتا ہو اس پر جبر واکراہ کا الزام لگانا درست نہیں ہے: لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ[42] "دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں، ہدایت گمراہی سے اعلانیہ ممتاز ہو چکی ہے سو جو کوئی معبودان باطلہ کا انکار کردے اور اللہ پر ایمان لے آئے تو اس نے ایک ایسا مضبوط حلقہ تھام لیا جس کے لیے ٹوٹنا (ممکن) نہیں اور اللہ خوب جاننے والا ہے"۔

سورہ الدھر میں ارشاد فرمایا اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا[43] "بلاشبہ ہم نے انسان کو راستہ دکھا دیا ہے اب وہ چاہے شکر گزار بنے یا (ناشکرا) کافر" درج بالا آیات میں واضح طور پر بتا دیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو حق آیا ہے اور وہ بالکل واضح ہے تو جس کا جی چاہے قبول کرے اور جس کا دل چاہے انکار کر دے اس کے بعد اقرار وانکار کے انجام سے بھی باخبر کر دیا ہے تاکہ آدمی فیصلہ کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ لے کہ وہ کس انجام کو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ اسی طرح اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ[44] "آپ کے ذمہ پہنچا دینا ہے" یعنی اسلام قبول کرنے کے لیے جبر کرنے کی کوئی اجازت نہیں، رسول کا فرض صرف ابلاغ و تبلیغ ہے اس کے بعد نتیجہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ عہد نبوی اور خلافت راشدہ کے بارے میں حتمی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ کسی کو جبر کے ساتھ کبھی مسلمان نہیں بنایا گیا۔ غیر مسلموں کے ساتھ کیا رویّہ رکھنا چاہیے تو قرآن میں یہ اصول ملتا ہے کہ ہر مذہبی کمیونٹی کو کامل داخلی خود مختاری دی جائے حتّٰی کہ نہ صرف عبادات وہ اپنے طریقہ کے مطابق کر سکیں بلکہ اپنے ہی قانون اپنے ہی ججوں کے ذریعہ سے اپنے مقدمات کا فیصلہ کرائیں۔

کامل داخلی خود مختاری کا قرآن مجید کی کئی آیات میں تذکرہ ملتا ہے جن میں سے ایک آیت بہت ہی واضح ہے: وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ

الْاِنۡجِيۡلِ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فِيۡهِ[45] یعنی انجیل والوں کو چاہیے کہ وہ اس چیز پر عمل کریں جو اللہ نے انجیل میں نازل کی ہے ان احکام کے تحت دور نبوی میں ہی قومی خود مختاری ساری آبادی کو مل گئی تھی۔ جس طرح مسلمان اپنے دین، عبادات، قانونی معاملات اور دیگر امور میں مکمل طور پر آزاد تھے اسی طرح دوسری ملت کے لوگوں کو بھی آزادی تھی۔ جیسا کہ نجران کے عیسائیوں کے بارے میں ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں کہ سنہ 9ھ میں نجران کے عیسائیوں نے اپنا ایک وفد مدینہ بھیجا جس کی قیادت ان کا بشپ اور اس کا نائب کر رہے تھے انہوں نے مدینہ میں عقائد پر بحث و مباحثہ کیا۔ یہ مذاکرات مسجد نبوی میں ہو رہے تھے اس کے پاس ہی آپ ﷺ نے اس وفد کو ٹھہرایا تھا اسی دوران ان کی عبادت کا وقت ہو گیا اور وفد نے عبادت کے لیے اپنے کیمپ واپس جانا چاہا، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ آپ لوگ مسجد میں ہی اپنی عبادت کر سکتے ہیں۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ وفد نے مشرق کی طرف رخ کر کے عبادت کی، غالباً اس مقصد کے لیے انہوں نے صلیبیں بھی نکال لی تھیں (جو وہ لباس کے اندر گلے میں پہنے ہوئے تھے) عبادت کے بعد انہوں نے مذاکرات کیے، رسول کریم ﷺ نے انہیں جوابات دیئے پھر مباہلہ کی تجویز رکھی۔[46] اس پر عیسائی وفد نے غور کرنے کی مہلت مانگی اور آپس میں مشاورت کے بعد طے کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے معاہدہ صلح کر لیا جائے اس معاہدہ کے تحت نجران میں عیسائیوں کو انتظامی و مذہبی معاملات میں مکمل آزادی دی گئی انہیں اختیار تھا کہ وہ جسے چاہیں بشپ وغیرہ منتخب کر لیں اور اس انتخاب کی توثیق اسلامی حکومت سے کرانا لازمی نہیں تھا البتہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں قرضوں پر سود نہ لینے کا حکم دیا۔[47]

حضور ﷺ کے اسوہ سے ہمیں یہ بات پتہ چلتی ہے ایسے تمدن کے لوگوں سے تعلق جوڑنا ہو یا انہیں دعوت دینا ہو تو دوسری ثقافت و تمدن کے حاملین کو اس بات پر جمع کرنے کی دعوت دو جس پر دونوں کا اتفاق ہو۔ جیسا کہ قرآن پاک نے یہودی اور عیسائی تمدن کے لوگوں کو ایک مشترکہ کلمہ پر آنے کی دعوت دی: قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ تَعَالَوۡا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمۡ اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰهَ[48] ”کہہ دیجیے اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے یہ کہ ہم ایک اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں“۔

یعنی تمام مذاہب کے پیرؤوں میں باہمی احترام و رواداری کا جذبہ پیدا کرنا اور فروع کو چھوڑ کر معقول اصول پر سب کو ایک ہو جانے کی دعوت ہی اسلامی پیغام ہے۔ یہاں یہودیوں، عیسائیوں اور انہی جیسے لوگوں سے خطاب ہو رہا ہے گویا قرآن پاک مختلف مذاہب اور مختلف تمدن کے لوگوں سے مخاطب ہے۔ صلح کل، رواداری اور انتہائی وسعت قلبی کی اس عجیب و غریب تعلیم میں کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا ہے کہ یہودی، عیسائی، صابی اور دیگر مذاہب کے لوگ اپنے اپنے مذہب کو ترک کریں، بلکہ اپنے اپنے الہامی مذہب ہی کی تجدید کرتے ہوئے چند بنیادی امور پر عمل کریں۔ درج بالا آیت سے تبلیغ کا جو اصول معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ اگر کوئی فرد کسی ایسی جماعت کو دعوت دینا چاہ رہا ہو جو عقائد و نظریات میں اس سے مختلف ہو تو اسے اس تہذیب و تمدن کے حاملین کو اس بات پر دعوت دینی چاہیے جس پر دونوں کا اتفاق ہو سکتا ہو جب روم کے بادشاہ ہرقل کو دعوت دی اس بات پر دعوت دی جس پہ دونوں کا اتفاق تھا یعنی اللہ تعالیٰ کی

وحدانیت پر۔بسم اللہ الرحمٰن الرحیم من محمد بن عبداللہ الیٰ ھرقل عظیم سلام علی من یتبع الھدیٰ { قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ م بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہ[49] اور تقریباً اس طرح کے مضمون پر مبنی خطوط نجاشی حاکم حبشہ اور قبطیوں کے بادشاہ مقوقس کو بھیجے جس میں انہیں قبول اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ گویا یہودیت، عیسائیت اور اسلام کی تہذیبوں میں عقیدہ توحید ہی ایک ایسا عقیدہ ہے جس کے ذریعے تینوں مذاہب کے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ ہو سکتے ہیں اور اگر عقیدہ توحید میں ہم آہنگی پیدا ہو جائے تو اس مہذب دنیا میں کافی حد تک وحدت پیدا ہو سکتی ہے۔

نتائج تحقیق

1: اسلام میں معاملات زندگی کو انسانیت گیر اخلاقی و معاشرتی تعاون تک وسیع کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔اس تعاون میں دیگر تفرقاتی نظریات کے علاوہ مذہب کو بھی حائل ہونے کی اجازت نہیں دی بلکہ اخلاق و ترحم کو امت مسلمہ کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں تک عام کرنے کی ہدایات کیں۔

2: اسلامی تعلیمات میں اعلیٰ اقدار کی ترویج پر توجہ دی جاتی ہے۔ بالعموم معاشرہ میں فضائل اخلاق کو رائج اور عام کرنے کا ماحول بنایا۔ اس ماحول کے لئے ایک بنیادی شعبہ عدل وانصاف کا ہے امن واطمینان کے قیام کے لئے بے لاگ عدل کا نفاذ بنیادی شرط ہے۔ رسول ﷺ نے غیر جانبدارانہ اور غیر مشروط انصاف کا نظام قائم کر کے دکھایا۔

3: عصر حاضر میں دنیا کے مختلف مقامات پر بدامنی اور فساد کی ایک وجہ مذہبی تشدد بھی رہا ہے ایک نئی ملت کی تشکیل کے موقع پر رسول ﷺ نے عملاً یہ دکھایا کہ مذہب کے دائرہ میں داخل ہونے کے بعد اس دائرہ کی حدود کی پابندی جتنی ضروری ہے۔اتنا ہی اس دائرہ سے باہر کے لوگوں کے ساتھ رواداری اور پر امن معاشرت بھی ضروری ہے اور پر امن معاشرت کے لئے دیگر مذہبی گروہوں کے لئے مذہبی آزادی کا ہونا لازم ہے۔ان بنیادوں پر رسول ﷺ نے ایک فلاحی معاشرہ قائم کر دکھایا۔

حوالہ جات

---

[1] النساء 1:4

[2] ترمذی ،ابو عیسیٰ ،محمد بن عیسیٰ،السنن و الجامع ، دارالفکر للطباعة والنشر والتوزیع،بیروت ،1980ء،ابواب تفسیر القرآن عن رسول اللہ ﷺ ، باب و من سورہ الحجرات ،حدیث نمبر: 3324

[3] الحجرات13:49

[4] احمد بن حنبل، المسند ، المطبعة الیمینیة مصر،1360ھ،ج 5،ص411

[5] بخاری ، محمد بن اسماعیل ، الجامع الصحیح ، قدیمی کتب خانہ بالمقابل آرام باغ، کراچی، کتاب التوحید، باب قول اللہ تبارک وتعالیٰ:قُلِ ادْعُوا اللّٰہَ اَوِادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیًّامَّا تَدْعُوْا فَلَہُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی، بنی اسرائیل 110:17 ،رقم الحدیث:2376

6مسلم، ابو الحسین بن الحجاج بن مسلم قشیری، الصحیح دار احیاء التراث العربی، بیروت، س۔ن، کتاب الادب، ج2، ص239

7بخاری، الصحیح، کتاب الجنائز

8سرخسی، محمد بن احمد، المبسوط، دار المعرفۃ، بیروت، 1406ھ، ج10، ص90

9ابن ہشام، محمد بن عبدالملک، السیرۃ النبویۃ، دار الجیل، بیروت، ج2، ص245

10مسلم، الصحیح، کتاب الامارۃ، باب وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین عند ظهور الفتن، وفی کل حال و تحریم الخروج من الطاعۃ و مفارقۃ الجماعۃ

11لقمٰن15:31

12ایضاً

13ایضاً

14بخاری، الصحیح، کتاب الادب، باب صلۃ الوالد المشرک

15النساء36:4

16طبری، محمد بن جریر، ابو جعفر: التاریخ الامم والملوک، مترجم محمد ابراہیم ندوی، نفیس اکیڈمی، کراچی، 1982، ج3، ص414

17ابو داؤد سجستانی، سلیمان بن اشعث، السنن، دار الفکر، بیروت، 1994، کتاب الادب، باب فی حق الجوار

18ترمذی، الجامع، کتاب البر والصلۃ، باب ما جاء فی حق الجوار، رقم الحدیث:1756

19بخاری، الصحیح، کتاب الادب، رقم الحدیث:6014

20طبرانی، سلیمان بن احمد، المعجم الکبیر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1403ھ، رقم الحدیث:18829

21ابو داؤد، السنن، کتاب الجهاد، باب فی دعاء المشرکین

22بیهقی، احمد بن الحسین، معرفۃ السنۃ و الآثار، مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ، الهند، 1344ھ، رقم الحدیث:18333

23مسلم، الصحیح، کتاب الجهاد والسئیر، باب تأمیر الامام الأمراء علی البعوث، و وصیته ایاهم بآداب الغزو وغیرها، رقم الحدیث 4522:

24الدهر8،9،10:76

25ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، 257:2

26زمخشری، محمود بن عمر، جار الله، الکشاف عن حقائق التنزیل و عیون الأقاویل فی وجوه التاویل، مکتبۃ دار المعرفۃ، بیروت، ج 4، ص196

27ابو داؤد، السنن، باب تعشیر الذمۃ، اذا اختلفوا التجارۃ، رقم الحدیث :2652

28حاکم، نیشاپوری، المستدرک، کتاب آیات رسول ﷺ، رقم الحدیث: 4221

[29]البقرہ2:83

[30]حاکم،رقم الحدیث :3009

[31]قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری،رحمۃ للعالمین،شیخ غلام علی اینڈ سنز،پبلشرز،لاہور،ج2،ص 340

[32]ترمذی،الجامع،ابواب البر والصلۃ، باب ما جاء فی حسن الخلق،رقم الحدیث :2003

[33]راغب اصفہانی،مفردات القرآن ،اہل حدیث اکادمی،لاہور،1971، مادہ،ع دل

[34] المؤمن 2:40

[35]النساء4:58

[36]الاعراف7:29

[37]المائدہ5:42

[38]المائدہ 5:8

[39]النساء4:135

[40]النحل16:90

[41] یونس10:99

[42]البقرہ2:256

[43]الدھر76:3

[44] الشوریٰ42:48

[45]المائدہ5:47

[46] آل عمران3:61

[47]حمید اللہ،ڈاکٹر،محمد رسول اللہ ﷺ،ص345

[48]آل عمران3:64

[49]بخاری،الصحیح، کتاب بداء الوحی،باب کیف کان بداء الوحی

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.